ISSN: 2249-894X IMPACT FACTOR : 5.2331(UIF) VOLUME - 6 | ISSUE - 11 | AUGUST - 2017
UGC APPROVED JOURNAL NO. 48514
REVIEW OF RESEARCH

شبلی نعمانی کا فارسی کلام:اُن کے شعری نظریات کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد یحییٰ جمیل
اسوسی ایٹ پروفیسر و صدر شعبۂ فارسی
شریمتی کیشر بائی لاہوٹی مہاودیالیہ، امراوتی-۴۴۴۶۰۳ (مہاراشٹر)

علامہ شبلی نعمانی (۳ جون ۱۸۵۷ء ۔۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء)کے تنقیدی نظریات اس لحاظ سے اہم تر ہیں کہ وہ محض مشرقی اور مغربی انتقادیات کا پرتو نہیں بلکہ با ہمہ ایں ان کی اپنی شعریات کے بھی عکاس ہیں۔ شعرالعجم، موازنۂ انیس و دبیر ، مقالات شبلی جیسی معرکۃ الآرا کتابیں ان کی نظری اور عملی تنقید کی بہترین مثالیں ہیں۔

قدرت نے شبلی کو نقد الشعرکے ساتھ شعر گوئی کی نعمت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ ان کے فارسی کلام کے مجموعے بنام دیوان شبلی، دستۂ گل، بوے گل، برگ گل کے نام سے شائع ہوچکے ہیں۔ اور ان سب کا مجموعہ کلیات شبلی کے عنوان سے دستیاب ہے۔ کلیات شبلی میں قصائد، مراثی، مثنویات، غزلیات اور قطعات کا شمول ہے۔

لہٰذا یہ مطالعہ دلچسپ ہوسکتا ہے کہ تخلیق شعر کے وقت شاعر شبلی، نقاد شبلی کے پیمانوں پر پورا اترتا ہے یا نہیں۔ اس مقالہ میں اسی پہلو پر غور کیا گیا ہے کہ شبلی کی شاعری ان کے شعری نظریات کا کہاں تک ساتھ دیتی ہے۔

شبلی کا نظریۂ شعر:

شبلی کی ذہنی نشوونما میں مشرقی علوم و تہذیب کی کارفرمائی رہی ہے۔ اپنے زبردست علمی پس منظر کی وجہ سے شبلی تنقید کے باب میں مغربی نظریات سے کہیں مرعوب نہیں ہوتے۔ وہ روایتی تصور شعر کے حامی رہے جو شاعری کو ایک کرافٹ سمجھتا ہے۔ اسے کسی نظریہ کا آرگن بنانا مناسب خیال نہیں کرتا۔ ڈاکٹر صفدر،علامہ شبلی نعمانی کو مشرقی معیار نقد کا آخری ارتقائی نقطہ کہتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ ان کے بعد ہماری تنقید گمراہ ہوکر ضروریات زندگی کے گرداب میں جا پڑی۔ صفدر کے لفظوں میں:

"شعرو ادب زندگی کے درمیان سر گرم سفر ہوتے ہیں۔ ہراول دستے میں شمولیت اسے زندگی سے دور ایک یوٹوپیا میں محبوس کردیتی ہے۔ نتیجتاً شعرو ادب زندگی کو متاثر نہیں کرتے کہ نہیں کر سکتے، مگر شعرو ادب ضرور منفی انداز میں متاثر ہوتے ہیں کہ زندگی جس سے شعروادب کو غذا ملتی ہے پیچھے رہ جاتی ہے اور ادب آگے چل چل کر ہانپ جاتا ہے۔"1

لہٰذا ہم پاتے ہیں کہ شبلی کے یہاں سارا زور، زبان و بیان پر ہے، موضوع پر نہیں۔شبلی لکھتے ہیں:

"مضمون تو سب پیدا کرسکتے ہیں، لیکن شاعری کا معیار کمال یہی ہے کہ مضمون کن الفاظ میں ادا کیا گیا ہے۔ اور بندش کیسی ہے۔ ..... حقیقت یہ ہے کہ شاعری یا انشا پردازی کا مدار زیادہ تر الفاظ ہی پر ہے۔"2

شبلی کے مطابق شعر کا نمایاں وصف جذبات انسانی کا برانگیختہ کرنا ہے۔ اور اسے موٴثر بنانے کے لیے جن شعری لوازمات کی ضرورت ہوتی ہے اس میں محاکات ،تخیل، احساس اور لوازمات شعر مثلاً تشبیہ و استعارہ، جدت ا دا، حسن الفاظ، سادگی اور واقعیت کا شمار ہوتا ہے۔ نیز انھوں نے بلاغت اور لوازم بلاغت پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔اسی لیے خورشید الاسلام، علامہ شبلی کو اردو کا پہلا یونانی قرار دیتے ہیں۔ اور خلیل الرحمن اعظمی شعر العجم کو بالواسطہ

مقدمہ شعرو شاعری کا جواب سمجھتے ہیں۔درج ذیل سطور میں محاکات، تخیل اور لوازمات شعر کے آئینے میں کلام شبلی کو پرکھنے کی کوشش ہے۔

محاکات:

محاکہ یعنی حکائی بیان کی جمع 'محاکات'ہے ۔ کچھ ذہنی تصویروں کے ذریعے شعری کیفیات کی ترسیل محاکات کہلاتا ہے۔ شبلی،اپنے شعری نظریات میں سب سے زیادہ، محاکات اور تخیل کو اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے مطابق ان میں سے اگر ایک چیز بھی پائی جائے تو شعر، شعر کہلانے کا مستحق ہوگا اور باقی اوصاف یعنی سلاست، صفائی، حسن بندش وغیرہ شعر کے اجزاے اصلی نہیں بلکہ عوارض اور مستحسنات ہیں۔ شبلی ، محاکات کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"محاکات کے معنی کسی چیز یا کسی حالت کا اس طرح ادا کرنا ہے کہ اس شے کی تصویر آنکھوں میں پھر جائے۔ تصویر اور محاکات میں یہ فرق ہے کہ تصویر میں اگرچہ مادی اشیاء کے علاوہ حالات یا جذبات کی بھی تصویر کھینچی جاسکتی ہے چنانچہ اعلیٰ درجہ کے مصور انسان کی ایسی تصویر کھینچ سکتے ہیں، کہ چہرے سے جذبات انسانی مثلاً رنج، خوشی، تفکر، حیرت، استعجاب، پریشانی اور بے تابی ظاہر ہو..... تاہم تصویر ہر جگہ محاکات کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ سیکڑوں گوناگوں واقعات حالات اور واردات ہیں جو تصویر کی دسترس سے باہر ہیں۔"3

بیسویں صدی کی ابتدا میں ہیوم ، ایزرا پاؤنڈ ، ڈی ایچ لارنس وغیرہ انگریزی شعرا نے جس پیکریت imagismکی شروعات کی، شبلی کا نظریہ محاکات اس سے بہت قریب محسوس ہوتا ہے ۔ سلیم شہزاد نے فرہنگ ادبیات میں پیکر کی وضاحت یوں کی ہے کہ:

"لغوی معنی شکل و ہیئت۔ اصطلاحی معنی اشیاء کی مشابہت جو صرف ذہنی تصویریں نہیں پیش کرتیں بلکہ زبان کے استعمال سے جذبات و خیالات تصورات ... اور اشیاء کے حسی اور ماوراے حسی تجربات کو محسوس و مدرک اجسام میں بیان بھی کرتی ہے۔"4

شبلی محاکات کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"شاعری کی اثر انگیزی کی حد سب سے زیادہ وسیع ہے۔ موسیقی صرف قوت سامعہ کو محظوظ کرسکتی ہے، سامعہ نہ ہو تو کچھ کام نہیں کرسکتی۔ تصویر سے متاثر ہونے کے لیے بینائی شرط ہے۔ لیکن شاعری تمام حواس پر اثر ڈال سکتی ہے۔ باصرہ، ذائقہ، شامہ، لامسہ سب اس سے لطف اٹھا سکتے ہیں۔ فرض کرو شراب آنکھوں کے سامنے نہیں ہے۔ اس لیے آنکہ اس وقت اس سے حظ نہیں اٹھا سکتی۔ لیکن جب ایک شاعر اس کو آتش سیال سے تعبیر کرتا ہے تو ان الفاظ سے ایک موثر منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔"5

یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ شبلی اپنے تخیل کی بلند پروازی سے پیکریت کے بہت قریب پہنچ گئے تھے۔ ان کے اشعار کو ہم محاکات کے ساتھ پیکریت کی مختلف قسموں کے تحت بھی سمجھ سکتے ہیں۔ مثلاً:

وقت سحر کہ عارض او بے نقاب بود
در بزمش اول آن کہ رسید آفتاب بود

شبلی کا یہ شعر محاکات کی عمدہ مثال ہے۔ اس شعر میں ایک ایسا منظر آنکھوں کے سامنے آرہا ہے جسے کینواس پر بنانا مصور کے بس کی بات نہیں۔ یہ بصری پیکر ہے۔ اس شعر میں معنی آفرینی ہورہی ہے۔ وقت سحر جب محبوب کا چہرہ بے نقاب تھا تو اس کی بزم میں سب سے پہلے آفتاب پہنچا تھا۔ یعنی آفتاب نے اس کے چہرے سے اکتساب نور کیا۔ ایک اور شعر دیکھیے :

یک سر و صد گونہ سودائے نہانی داشتم
یاد آن روزی کہ من با خود جہانی داشتم

اس شعر کو بصری پیکر نے حسین تر بنادیا ہے۔ یہ شعر دیکھیے:

آن نگار عجمی چہرہ بدانسان افروخت
کآتش آوردم و در خرمن ایمان زدہ ام

اس شعر میں محاکات کی کارفرمائی نے ایک نئی دنیا کو دریافت کیا ہے۔ یہاں آگ بصری اور لمسی پیکر کی یکجائی ہے۔ یہ پیکر استعارہ بھی ہے۔ ہم اسے علامتی استعارہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ شبلی کا یہ شعر فنی نقطۂ نگاہ سے قابل داد ہے۔

محاکات کو موثر بنانے کے لیے شبلی وزن کی مناسبت اور اصل سے مطابقت کو ضروری خیال کرتے ہیں۔

وزن کی مناسبت:

اساتذۂ سخن کا قول مشہور ہے کہ جب تک بحر کے انتخاب کی سمجھ نہ آئے شعر نہیں کہنا چاہیے۔شبلی بھی شعر گوئی سے پہلے صحیح وزن کے انتخاب کی سمجھ کامشورہ دیتے ہیں۔ان کے مطابق مخصوص بحریں ، مخصوص کیفیات کے بیان کے لیے موزوں ہوتی ہیں۔ مثلاً بحر متقارب ، رزمیہ خیالات کے لیے موزوں ہے۔

شبلی نے اپنی غزلوں کے موڈ کے لحاظ سے نہایت موزوں بحروں کا انتخاب کیا ہے۔ ان کی زیادہ غزلیں بحر رمل مخبون محذوف میں ہیں۔اس کے افاعیل ہیں، 'فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن'۔ اس بحر میں شبلی نے بہترین غزلیں کہی ہیں۔ چند متفرق شعر ملاحظہ ہوں:

من نہ آنم کہ بہ ہر شیوہ دل از دست دہم
لیک با آن نگہِ حوصلہ فرسا چہ کنم

نیز چندغزلوں میں حشو دوم میں فعلن کی بجائے فعلان سے جو لطف بڑھا ہے وہ بھی دیکھیے:

تا قدم رنجہ کنی بہر تماشاے چمن
ابر بہر تو سر ا پردہ بہ گلشن زدہ بود

بحرہزج مثمن مکفوف اخرم، بڑی پیاری بحر ہے۔ اس کے افاعیل ہیں، 'مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن'۔ اس بحر میں شبلی کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

اے رنگ ز رخ جستہ یک لحظہ توقف کن
من نیز ازین عالم آہنگ سفر دارم

لہٰذا مناسب بحروں کا انتخاب ،شبلی کی غزلوں کے تأثر کو دوچند کردیتا ہے۔

شبلی نے اساتذہ کی زمین میں بھی چند غزلیں کہی ہیں، مثلاًنظیری کی مشہور غزل ہے:

از کف نمی دہد دل آساں ربودہ را
دیدیم زور بازوی نا آزمودہ را

اسی زمین میں شبلی کی غزل ہے، اس کا مقطعہ ملاحظہ ہو:

شبلی ز جہل بود کہ در شیوہ ہاے عشق
ما آزمودہ ایم دل آزمودہ را

نظیری ہی کی ایک اور غزل ہے:

کجا بودی کہ امشب سوختی آزردہ جانی را
بقدر روز محشر طول دادی ہر زمانی را

اس زمین میں شبلی کی غزل کا شعر ملاحظہ ہو:

بہ ہر سوی متاع عقل و دانش ابتر افتادہ است
بہ غارت برد باز آن چشم پر فن کاروانے را

تخیل:

محاکات اور تخئیل پر شبلی نے طویل مباحثہ قائم کیا ہے۔ چونکہ تخئیل کے بغیر محاکات ممکن نہیں اس لیے وہ تخئیل اور محاکات کے باہمی روابط پر غور کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

"حقیقت یہ ہے کہ شاعری دراصل تخئیل کا نام ہے۔ محاکات میں جو جان آتی ہے، تخئیل ہی سے آتی ہے۔ ورنہ خالی محاکات نقالی سے زیادہ نہیں۔ قوت محاکات کا کام یہ ہے کہ جو کچھ دیکھے یا سنے اس کو الفاظ کے ذریعے بعینہ ادا کردے لیکن ان چیزوں میں ایک خاص ترتیب پیدا کرنا، تناسب اور توافق کو کام میں لانا، ان پر آب و رنگ چڑھانا قوت تخئیل کا کام ہے۔"6

شاعری کے لیے شبلی قوت تخیل کو لازمی سمجھتے ہیں۔ اور قوت تخیل کو شبلی قوت اختراع ثابت کرتے ہیں جس کے ذریعے سائنس داں اور فلسفی علمی مسائل حل کرتے ہیں اور نئی چیزیں اختراع کرتے ہیں۔ شاعر قوت تخیل سے چاند کو اپنے محبوب کا چہرہ کہتا ہے۔ بلکہ اس سے بات بھی کرتا ہے۔ حتی کہ بعض اوقات انھیں حکم بھی دینے لگتا ہے۔ اس طرح شبلی تخیل کے ذریعہ تجسیم تک پہنچ رہے ہیں۔ مثلاً:

نسیم صبح بیا راحتے بہ جاں برساں
پیام بندہ بہ آں خاک آستاں برساں

وہ ہر چیز سے مخاطب ہوتا ہے:

ای اجل گر بہ من خستہ ترا کارے ہست
اندکے باش کزو وعدۂ دیدارے ہست

لوازمات شعر:

شبلی لوازمات شعر کے تحت پانچ چیزوں کو لازمی شمار کرتے ہیں، تشبیہ، جدت ادا، حسن الفاظ ، سادگی اور واقعیت ۔

الف۔ تشبیہ و استعارہ:

محاکات کا ایک بڑا آلہ تشبیہ ہے۔ اکثر اوقات ایک چیز کی اصلی تصویر جس طرح تشبیہ سے دکھائی جا سکتی ہے، دوسرے طریقے سے ادا نہیں ہوسکتی۔ 7

نیز وہ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"ہر تشبیہ ابتدا میں نادر اور پر لطف ہوتی ہے لیکن بار بار کے استعمال سے اس کی تازگی اور ندرت جاتی رہتی ہے اور بے اثر ہوجاتی ہے، اس لیے شاعر کا فرض ہے کہ نادر اور جدید تشبیہیں اور استعارے ڈھونڈ کر پیدا کرے۔"8

شبلی کے کلام میں تشبیہ کی مثالیں ڈھونڈنے پر ہم پاتے ہیں کہ انھوں نے نئی تشبیہات و استعارے وضع کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ مثلاً

برق عشقی کہ مرا بر دل و بر تن زدہ بود
این ہمان ست کہ بر وادی ایمن زدہ بود

شبلی کے کلام میں تشبیہ کی بہ نسبت استعارہ زیادہ استعمال ہوا ہے جو تشبیہ کا اگلا قدم ہے۔اس کے ذریعے انھوں نے معنی کے نئے افق دریافت کیے ہیں، مثلاً

فغان از گرمی ہنگامۂ خوبان زردشتی
بہم آمیختہ از زلف و عارض ظلمت و ضو را

کلیات شبلی میں‌اس شعر کی وضاحت حاشیے میں کردی گئی ہے کہ‘پارسیان دو خدا را معترف ہستند یزدان و اہرمن، و اینہا را بہ نور و ظلمت ہم تعبیر می کند’۔ اب اس شعر پر غور کیجیے۔ یہ تہہ دار شعر ہے۔ اس کی مختلف پرتیں کھلتی ہیں۔ مثلاً

۱۔ زردشتی عقیدے کے مطابق یزدان و اہرمن کی کشمکش سے یہ کائنات چل رہی ہے۔ یہ دونوں زردشتی حسیناؤں کے چہروں میں بہم آمیختہ ہیں‌یعنی یہ چہرے وہ مقام ہیں جہاں دو خداؤں میں صلح نظر آتی ہے۔

۲۔ چونکہ کائنات روشنی اور اندھیرے سے عبارت ہے اس لیے زردشتی حسیناؤں کے چہرے ،کل کائنات ہیں۔ وغیرہ

ب۔ جدت ادا:

شاعری کے لیے یہ سب سے مقدم چیز ہے۔ بلکہ بعض اہل فن کے نزدیک جدت ادا ہی کا نام شاعری ہے۔ ایک بات سیدھی طرح سے کہی جائے تو ایک معمولی بات ہے، اسی کو اگر جدید انداز اور نئے اسلوب سے ادا کردیا جائے تو یہ شاعری ہے۔9

یہاں اس قدر اضافہ کیا جاسکتا ہے کہ کسی شعر کا مضمون بھی جدت ادا کے ساتھ اپنایا جاسکتا ہے۔ بلکہ آج اس کے سوا کوئی اور چارۂ کار بھی نہیں۔ جیسا کہ عربی کا قول مشہور ہے، ما ترک الاول للاخر(اگلوں نے پچھلوں کے لیے کچھ نہیں چھوڑا)۔ شبلی اسی بات کو اپنے ایک شعر میں یوں بیان کرتے ہیں کہ:

حدیثی دلکش و افسانہ از افسانہ می خیزد
دگر از سر گرفتم قصۂ زلف پریشان را

شبلی کے کلام میں جدت ادا کی مثالوں کی کمی نہیں‌مثلاً ً یہ خیال عام ہے کہ اس کی گفتگو کا ایک ایک لفظ موتی ہے۔ شبلی اس بات کو جدت ادا کے ساتھ یوں کہتے ہیں:

صد دکاں لعل و گہر چیدہ ام از گفتارش
طعنہ بر بی سر و سامانی عماں زدہ ام

یہ خیال کہ عاشق کا جدائی برداشت کرلینا حیرت انگیز ہے، شبلی اسے یوں کہتے ہیں:

شبہای ہجر دیدہ ام و باز زندہ ام
گویا کہ کار مرگ و قضا را نظام نیست

انھوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ دوسروں کے مضمون کو اپنا بنایا ہے۔ خسرو کا مشہور شعر ہے:

ہر دو عالم قیمت خود گفتہ ای
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

شبلی نے یہ خیال اس طرح بیان کیا ہے:

عشق ہر چند بہ دست تو بہ ہیچم بفروخت
قیمتم کم کن ازین نیز کہ ارزان باشم

ایک دوسری جگہ پھر اسی مضمون کو نئے انداز میں دہرایا ہے کہ:

اکنون چہ گویمت کہ بہای دلم چہ بود
تو خود فرامشی و مرا نیز یاد نیست

حافظ شیرازی کا مشہور شعر ہے:

فغان کین لولیان شوخ شیرین کار شہرآشوب
چنان بردند صبر از دل کہ ترکان خوان یغما را

شبلی نے اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے کہ:

دل متاعیست گران مایہ بہ کس نتوان داد
رائگان گر برد آن ترک بہ یغما چہ کنم

ج۔ حسن الفاظ:

شبلی، حسن الفاظ کے ضمن میں رقم طراز ہیں کہ:

"مضمون کتنا ہی بلند اور نازک ہو لیکن اگر الفاظ مناسب نہیں ہیں تو شعر میں کچھ تاثیر نہ پیدا ہوسکے گی۔ اس لیے شاعر کو یہ سوچ لینا چاہیے کہ جو مضمون اس کے خیال میں آیا ہے اس درجے کے الفاظ اس کو میسر آسکیں گے یا نہیں؟ نہ آسکیں تو اس کو بلند مضامین چھوڑ کر ان ہی سادہ اور معمولی مضامین پر قناعت کرنی چاہیے جو اس کے بس کے ہیں اور جن کو وہ عمدہ پیرائے اور عمدہ الفاظ میں ادا کرسکتا ہے۔" 10

وہ اپنے قول کے مطابق اپنے اشعار میں خیالات سے مطابقت رکھنے والے الفاظ کا خوبصورت انتخاب کرتے ہیں۔ مثلاً

چند در پردہ توان کرد سخن فاش بگوی
سنگ بر شیشۂ تقویٰ زدہ ام ہان زدہ ام

اس شعر میں 'زدہ ام' کی تکرار اور درمیان میں 'ہاں' کے اضافے سے شعر میں جو زور آیا ہے وہ قابل داد ہے۔

خود داری کے بیان کے لیے اس شعر کے حسن الفاظ پر غور کریں:

ابلہی بود کہ مرغ دل من رم دادی
این ہما بود کہ از دست تو پرواز گرفت

یہ شعر پڑھتے ہی عرفی کا یہ شعر ذہن میں آتا ہے کہ:

ز ناز راندی و دانم ولے نیایم باز
کہ این معاملہ با طبع روشنائی رفت

عرفی، بے شبہ شبلی سے بلند مرتبہ شاعر ہے لیکن عرفی کے اس شعر میں صرف حسن بیان ہے جبکہ شبلی کا شعر محاکات، بصری پیکر ، استعارہ، جدت ادا نیز حسن الفاظ کی وجہ سے عرفی کے محولہ بالا شعر سے بڑھ گیا ہے۔

نتیجہ:

شبلی کے شعری نظریات کی روشنی میں ان کے کلام کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی غزلوں میں اپنے شعری نظریات کابڑی حد تک پاس و لحاظ رکھ سکے؛گرچہ شاعری ان کا کل وقتی کام نہیں تھا بلکہ وہ بنیادی طور تحقیق و تنقید کے مرد میدان تھے۔ بہر حال ان کے کلام پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ان کی فارسی غزل عصری مسائل پر ڈسکورس نہیں کرتی۔وہ مولاناحالی اور علامہ اقبال کی طرح شاعری میں ناصحانہ اندازبھی اختیار نہیں کرتے بلکہ غزل کا صدیوں پرانا خمیران کے یہاں پھر جوش مارتا ہوا نظر آتا ہے۔وہ حسن و عشق کے روایتی مضامین کو جدت ادا کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی غزل قدماء کا محض بیزار کن دہراو محسوس نہیں ہوتی۔

شبلی کی تنقید اعلیٰ مشرقی روایت کا احاطہ کرتی ہے ۔ ان کی غزلوں نے اسی روایت کو ایک قدم آگے بڑھایا۔ اس امتیاز کے ساتھ کہ ان کے علم دین اور سماجی ذمہ داریوں نے ان کی تخلیقی جنت میں کوئی شجر ممنوعہ نہیں کھڑا کیا۔ شبلی کے لفظوں میں:

زہد را من آشنائی دادہ ام با عاشقی
ورنہ عمری ہر دو را باہم نفاق افتادہ بود

منابع:

۱۔ ڈاکٹر صفدر(۱۹۹۲ء)، جدید شعری تنقید، وروڈ (مہاراشٹر)، ص:۷۲۔۷۱
۲۔ شبلی نعمانی(جون ۱۹۹۹ء)، شعرالعجم (جلد چہارم)اعظم گڑھ، ص: ۵۶
۳۔ ایضاً، صفحہ۶۔۷
۴۔سلیم شہزاد (۱۹۹۸ء) فرہنگ ادبیات، مالیگاؤں، ص: ۱۹۷
۵۔شبلی نعمانی(جون ۱۹۹۹ء)، شعرالعجم (جلد چہارم)اعظم گڑھ، ص:۳
۶۔ایضاً ،ص۔۲۳
۷۔ ایضاً ،ص۔۲۲
۸۔ ایضاً ،ص:۵۱
۹۔ ایضاً ،ص:۵۳
۱۰۔ ایضاً ، ص:۵۸